© rasailojaraid.com

واقعہ ایسا تھا جیسے تاریخ کی جھیل میں بہت بڑی چٹان پھینک ماری جائے۔
ایسا نہ تھا کہ ہزاروں صحابہ کرامؓ اور عوام کے دیگر نیک نہاد نیش روؤں کی توجہ اس مسئلہ پر نہ تھی۔ مگر جس سختی سے عوام کو جبر و تشدد سے خوف زدہ کیا گیا تھا اور اشرفیوں کی چھپا چھن سے جو جادو طاری کر دیا گیا تھا، زعما اس کی گرفت سے عوام کو نکالنے کے راستے سوچتے تھے اور سناٹا کہہ رہا تھا کہ آگے یا پیچھے کسی نہ کسی ہستی اور گروہ کے ذریعے کوئی تحریک اٹھنے والی ہے۔ امام حسینؓ کا شرف یہ ہے کہ وہ پہل کر گئے اور "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" والی بات ہو گئی۔
لوگوں نے کربلا کو فرقہ وارانہ جھگڑوں یا فی سبیل اللہ فساد کا موضوع بنا لیا، حالانکہ وہ فی سبیل اللہ جہاد کا ایک سبق تھا!

(۲)

اس مضمون کے آغاز میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ مجھے حکمران گروہ سے یہ امید بے جا ہے کہ وہ اسلام کے تقاضوں کو ایسی مؤثر شکلوں میں لانے پر تیار ہو سکتا ہے کہ اسلامی حدود و اقدار کا عملاً احیا ہو، نہ اپوزیشن کے کسی گروہ کے متعلق ایسے کسی مغالطے میں میرا دل مبتلا ہے کہ لہٰذا میں جو گفتگو کر رہا ہوں اس سے کسی کا یہ نتیجہ نکالنا ایک زیادتی ہو گا کہ میں اول الذکر کا ساتھی ہوں یا مؤخر الذکر کا مخالف۔ میرے سامنے معاملہ کسی ایک جماعت اور دوسری جماعت کا نہیں ہے بلکہ میں دو طرفہ متخالف طاقتوں کے باہمی تعامل و تصادم سے پیدا ہونے والے حالات پر گفتگو کر رہا ہوں۔

یہودیوں کے پروٹوکول میں جمہوریت کو مخالفین (غیر یہودی لوگ یا گوئم) کے لیے ذریعہ تخریب و انتشار بنانے کا جو پروگرام میں نے کبھی پڑھا تھا اس کے باوجود مجھے یہ توقعات رہیں کہ ہم مسلمان اگر خدا پرستی، اخلاق اور مساوات کے گراں قدر اصولوں کے فریم میں جمہوری سسٹم کی نئی تشکیل کر کے چلیں تو یہودیوں والی اسکیم اور بعض مغربی فلسفیانِ سیاسیات کے اندیشوں، نیز بڑے بڑے فتنہ آفریں سامراجی ممالک کے ہمت شکن تجربات کے گھیرے سے ہم نکل سکتے ہیں — یہ امید اس وقت فزوں تر ہو گئی جب ملک کے نمائندہ جید ۳۳ علماء نے مختلف مکاتب فکر سے

© rasailojaraid.com

متعلق ہونے کے باوجود ۲۲ دستوری نکات کی بنیاد پر جمہوریت کا ایک خوبصورت خاکہ پیش کیا۔
سچ یہ ہے کہ ہزار خرابیٔ احوال کے باوجود اپنے پاکیزہ تصورِ جمہوریت کی کامیابی کا یقین میرے اندر
کبھی ڈگمگایا نہیں۔ اور نہ میں نے بعض دوسرے اصحاب کی طرح ترکِ جمہوریت اور غیر جمہوری شورائی
نظام کے تصورات کی رَو میں کبھی غوطے کھائے۔

البتہ میری جمہوری خوش خیالیوں پر پہلی زد اس وقت پڑی جب صدر ایوب صاحب کے
دَور کے آخر میں کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگی اور مارشل لا کا بادبان ناکارہ ہو گیا۔ اُس وقت جمہوریت
کو سیاسی لیڈروں کی ایک قومی کونسل کی شکل میں ایوانِ صدر میں طلب کیا گیا۔ یہ بہترین موقع تھا
کہ جمہوریت آگے بڑھتی، اقتدار پر قابض ہوتی اور جبریت اور تحزب و انتشار کی فضا کا خاتمہ
کر دیتی۔ مگر اس موقع پر ایک صورتِ واقعہ ایسی پیش آئی کہ جمہوریت کی رُوح پہلی سانس لیتے ہی
پرواز کر گئی۔

مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ تمام کے تمام لیڈروں کو جمع کیا جانا چاہیے۔ قطع نظر اس سے کہ ملک
کی وحدت و سالمیت یا اسلامی اقدار کے متعلق ان کا نظریہ و عمل کچھ بھی ہو۔ جمہوریت کا ایک تقاضا
یہ بھی ہے کہ "سب کے سب"! اس طرح ایک بڑا مجبورانہ مقام سامنے آیا اور جمہوریت کے لیے
تباہ کن ایسے ہی مجبورانہ مقام ہوتے ہیں۔ ہماری موجودہ جمہوریت جب ایک بار "سب کے سب"
کا اُصول اختیار کر لیتی ہے تو پھر اس کا کوئی نظریہ نہیں رہتا۔ اور اس کا کوئی اخلاقی معیار نہیں رہتا۔
وہ اگر غلط الفکر اور تخریبکار عناصر بلکہ چوروں اور ڈاکوؤں دبا اُن کے سرپرستوں کو ساتھ لے کے
نہ چلے تو سرے سے کام چلتا ہی نہیں۔ اور ان کو ساتھ لے کے چلے تو پھر کوئی اُصول اور مقصد سلامت
نہیں رہتا۔ شیخ مجیب کا معاملہ عجیب پیچیدگی لے کے آیا۔ ایک طرف اس کا رویہ وہ تھا جس
سے بنگلہ دیش کے تصور کی آبیاری ہو رہی تھی اور ساتھ ہی وہ اگرتلہ سازش کیس کے تحت عدالت
میں پیش تھا۔ مگر مصلحتی سیاست نے کہا کہ اسے پیرول پر رہا کر کے یہاں لایا جانا چاہیے۔ اور لایا گیا۔
لیکن عملاً واقعات نے یہ شکل اختیار کی کہ کارروائی کی سماعت کرنے والی ہستی ایس اے رحمٰن مرحوم
کو تو سوتے چھوڑ کر جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑا۔ اور جس مجرم کا معاملہ زیرِ سماعت تھا وہ صدر ایوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے پہلو میں بیٹھا مرکز توجہ بنا ہوا تھا۔ صدر ایوب اُس وقت بے دم ہو چکے تھے، پولے جمہوریت نواز لیڈروں میں سے کوئی نہ تھا جو مجیب سے پوچھ سکتا کہ جناب کیا کیا کہتے اور کرتے پھر رہے ہیں ذرا اپنی پوزیشن سیاسی پنچایت کے سامنے واضح تو کیجیے۔ بخلاف اس کے دولتانہ صاحب کی امامت میں سب کے سب خوشامد میں لگے تھے۔ جس نظام میں مجرم (اور حقیقی مجرم) قوم کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھے اور اسے خود قوم کے سیاسی اکابر نیازمندی سے بلا کے زینت محفل بنائیں اور جس کا جی جوتیاں چھوڑ کر، ایک بنیان میں جان بچانے کے لیے قیام گاہ سے نکل بھاگے اس کے اگر تمام ذہین لیڈر دس سال تک بھی اپنی ناک رگڑتے رہیں تو اس میں سچی جمہوریت نہیں آسکتی۔

اِس محفل آرائی کا نتیجہ کیا نکلا، ایک اور فوجی آمر (جس کے مقابلے میں صدر ایوب دس گنا زیادہ شریف تھا)، نے مارشل لا کے پچکے ہوئے غبارے میں پھر پھونک بھری۔ اس نئے آمر کا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنے مارشل لا کی چھتری کے نیچے ایسے طریقے سے انتخابات کرائے کہ بھٹو صاحب اور اُن کی پارٹی برسراقتدار آگئی اور اس نئی قوت نے "دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب" کا وہ سماں پیدا کیا کہ جمہوریت کشی کا حق ادا ہو گیا۔ نعرہ پھر بھی یہ رہا کہ "جمہوریت ہماری سیاست ہے۔"

اسی سلسلۂ احوال کا تکمیلی عمل وہ تھا کہ قومی اسمبلی کا ایک اجلاس سابق مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) میں منعقد ہونا تجویز ہوا اور اس پر بھٹو صاحب نے اعلان کیا کہ جو شخص مغربی پاکستان سے اُس اسمبلی میں شرکت کے لیے جائے گا ہم اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔ کیا جمہوریت میں ٹانگیں توڑنے کی بھی گنجائش ہے؟ چونکہ یہ گنجائش نہیں تھی اس لیے ملک کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ کتنا مایوس کن تجربہ تھا!

بیچ کا دور چھوڑ کر میں تازہ صورتِ حالات کو لیتا ہوں۔ ووٹوں کے زور سے جس کا جی چاہے، حکومت پر قابض ہو اور جس کا جی چاہے اپوزیشن کا کردار ادا کرے، مگر کسی کو حق نہیں کہ گالی سے لے کر گولی تک استبداد کی کسی بھی غیر انسانی صورت کو سیاست میں داخل کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر یہ ستم بھی ہوا۔

مجھے اگر اجازت ہو تو میں صاف صاف کہوں کہ جس طرح کے انتخابات اور جس طرح کے جوڑ توڑ سے حکومت اور اس کے ادارے بنتے ہیں۔ ان حالات میں جمہوریت لازماً کمزور ہوتی ہے۔ لیکن اس کے جواب میں جو طوفانی اپوزیشن اُٹھی اُس نے پہلے دور میں مصنوعی ہجوموں کے ذریعے پوری قوم کو بھی اور اُس کی حکومت کو بھی دھمکانا چاہا کہ ہم ایسی عوامی طاقت لے کے آ رہے ہیں جو تخت اُلٹ دے گی۔ اس کے ساتھ نہایت کثرت سے بدترین گالیاں جمہوریت کے دامن میں ڈالیں، عوام کے مذاق کو خراب کیا اور اخلاق کی سطح کو گرایا۔ پھر صاف صاف دھمکیاں دیں کہ ہم چاہیں تو گورنمنٹ ہاؤس اور تمام دوسرے اداروں کو جلا کے راکھ کر دیں۔ اپوزیشن کی جمہوریت مسلح دستے لے کے سامنے نکلی۔ دوسرے دور میں مُلکی قوانین اور امن عامہ پر اپنی سابق دھمکیوں کے مطابق عمل کیا اور پھر جب حکومت نے روک تھام کرنا چاہی تو اُسے مجرم قرار دیا۔

اِس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی جو کوئی حکومت پر قابض ہو تو اُسے مجرم سمجھ کر بات کی جائے اور جو کوئی اپوزیشن میں ہو وہ اگر عوام کی جان و مال کی تباہی کا باعث بھی بنے تو اُسے خادمِ قوم قرار دیا جائے۔

کیا اِس قسم کی سیاسی ذہنیت اور اس قسم کے طریقوں کے ساتھ کبھی بھی سچی جمہوریت اور اس کے پہلو بہ پہلو امن اور شرافت ظہور کر سکتے ہیں، بعض بنیادی تبدیلیاں کیے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں۔

اسلام کے اُصولوں کے مطابق ایک اچھے نظامِ جمہوریت کی تشکیل کے لیے جن بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے وہ ہم شد و مد سے پہلے اپنے لٹریچر میں واضح کہہ چکے ہیں اور ان باتوں کو موقع بہ موقع پھر واضح کریں گے۔

لیکن یہاں چند ایسی اصلاحات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اُوپر اُوپر کی سطح پر ہو جانی چاہئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک یہ کہ حکومت کے عمائد اور اپوزیشن کے سیاسی لیڈروں کے اتفاق رائے سے ایک ضابطۂ اخلاق بننا چاہیے، جس میں مختلف ضروری باتوں کے ساتھ یہ بھی طے کیا جائے کہ کوئی شخص یا گروہ کسی شخص یا گروہ کو گالی نہیں دے گا، کوئی کسی کو جانی و مالی نقصان پہنچانے کی دھمکی نہیں دے گا۔ کسی کو حق نہ ہوگا کہ وہ قومی اور حکومتی املاک کی تباہی میں حصہ لے۔ ہر ایک اپنے اپنے پروگرام یا اپنے اجتماعی حسنِ اخلاق اور حسنِ خدمات کی طرف عوام کو دعوت دے گا۔ یہ بھی طے ہونا چاہیے کہ ایک ہی شہر میں، ایک ہی تاریخ میں مختلف جماعتوں کے جلسے، جلوس اور مظاہرے بالعموم نہیں ہونے چاہییں اور کوئی لازمی ضرورت پیش آ جائے تو اوقات اور راستوں (ROOTS) کا اس طرح تعین کیا جائے کہ اشتعال اور ٹکراؤ کی صورت پیدا نہ ہو، بلکہ اُلٹا سمجھوتہ یہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے کے افراد کو مدد دی جائے اور آرام پہنچایا جائے گا اور رہنمائی کی ضرورت ہو تو رہنمائی دی جائے گی۔

اسی طرح اخبارات اور سرکاری ذرائع ابلاغ کے کارپردازوں کو اپنے ضابطۂ اخلاق میں یہ طے کرنا چاہیے کہ ایک تو تحقیقی خبروں کو چھپایا نہ جائے، دوسرے ہنگاموں یا فسادوں کی خبریں، تصویریں اور سرخیاں اس طرح نہ دی جائیں کہ کسی فریق کے خلاف کسی دوسرے فریق میں ردِ عمل اُبھرے۔ ذرائع ابلاغ کی پالیسی یہ بھی ہونی چاہیے کہ جس طرح حکومت کی طرف سے جبر ہونے پر اُس کے خلاف نوٹ لکھے جاتے ہیں، اپوزیشن کی طرف سے گندی زبان استعمال ہونے پر، دھمکیاں دینے پر، اشتعال انگیزی اور تصادم انگیزی کرنے پر مسلح دستوں کو ساتھ لے کر سیاسی جلسوں اور مظاہروں کا انتظام کرنے اور پھر پبلک کے سامنے اسلحہ کا مظاہرہ کرنے پر سخت تنقیدی نوٹ لکھے جائیں۔

تیسرا سمجھوتہ وزارتی و پارلیمانی اکابر، سیاسی لیڈروں اور اخباری حضرات اور سرکاری ذرائع و ابلاغ کے کارپردازوں میں یہ ہونا چاہیے کہ اسلامی عقائد و شعائر، اس کے سیاسی و معاشی نظام، اس کے نظامِ تعلیم و اخلاق یا قانونِ حدود و تعزیرات یا ضابطۂ حجاب پر حملے نہ کیے جائیں، اسی طرح پاکستان، سالمیت پاکستان اور نظریہ پاکستان کو مجروح نہ کیا جائے۔ اِن مباحث کے متعلق نہ ادارتی کالم استعمال کیے جائیں، نہ دوسروں کے مضامین و مقالات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انٹرویوز شائع کیے جائیں ۔ بلکہ اسلام کے متعلق انتشار انگیز، اور اسلام کے علمائے سلف کے متعلق توہین آمیز اور علمائے حاضر کے متعلق پُر تضحیک اندازِ بیان پر بھی سخت گرفت کی جائے ۔ اِسی طرح نظریہ پاکستان، پاکستان، وحدت و سالمیتِ پاکستان اور استحکامِ پاکستان کے خلاف اگر کسی جانب سے ناوک اندازی ہو رہی ہو تو ہمارے اسٹیج اور پریس اور نشری اداروں کو بغلیں نہیں بجانی چاہئیں، بلکہ ایسی مثالوں کے خلاف نفرت و بیزاری کا اظہار کرنا چاہیے ۔

یہ چند اصلاحات وقتی ضرورت کی ہیں یا یوں سمجھیے کہ فسٹ ایڈ کی نوعیت رکھتی ہیں کسی دوسرے موقع پر یہ واضح کیا جائے گا کہ اس جمہوریت میں کن بنیادی تغیرات کی ضرورت ہے جن کے بعد جمہوری نظام اسلام کے بارِ امانت کو اُٹھا سکتا ہے ۔

یہ الگ بات ہے کہ موجودہ فتنہ انگیز جمہوریت جو ایک جبریت سے نکال کر ہمیں دوسری فسطائیت تک لے جاتی ہے، آخر اس کے ساتھ ہم کیوں چل رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہم جس طرح موجودہ بگڑے ہوئے معاشرے کے ساتھ چل رہے ہیں اور ہمارا منشا جس طرح کسانوں اور دکانداروں اور اُستادوں اور طلبہ میں دعوتی کام کرنے کا ہے، اسی طرح جمہوریت میں بھی ووٹروں کے اندر اور پارلیمانی محفل کے اندر بھی دعوت کا کام کرنے کا کام ہے —— اور ہم اسلام کے دائرۂ اثر کو بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں۔

ہماری نگاہیں اگر اس امر پر مرتکز نہ رہیں اور ہم بھی بے اُصول گروہوں کے مصلحتی جوڑ توڑ کے روزمرہ کے چکروں میں نت نئی اسکیمیں سوچنے اور نت نئی بولیاں بولنے پر اُتر آئیں تو موجودہ بیمار جمہوریت ہمیں بھی بیمار کر سکتی ہے ۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں بیمار نہ بنائے، چارہ گر بنائے ۔

© rasailojaraid.com